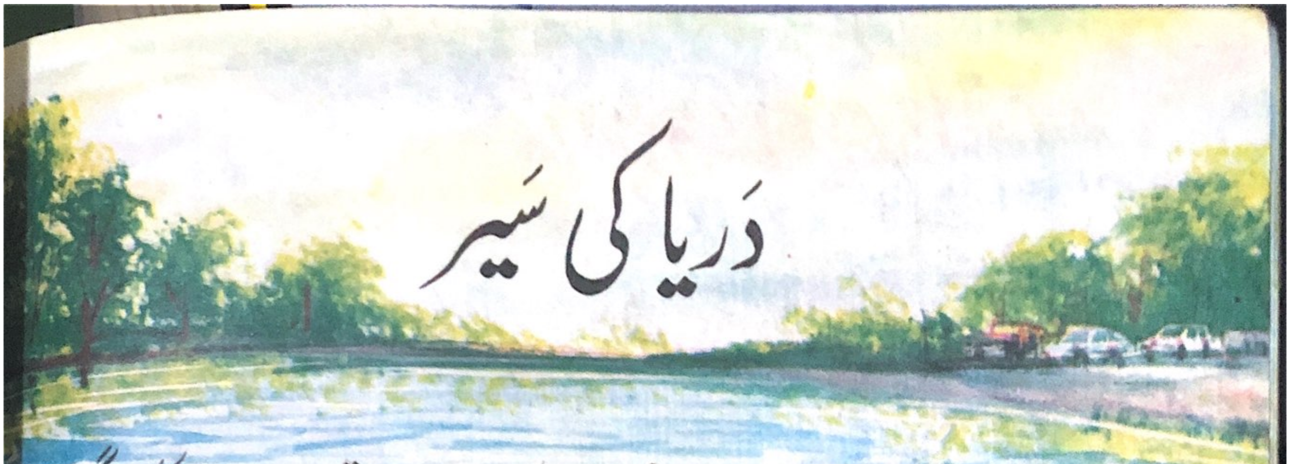

دریا کی سیر

کل چھُٹّی تھی ۔ دُھوپ خُوب چمک رہی تھی ۔ سردی کم ہوگئی تھی ۔ ہم نے سوچا سَیر کو چلیں ۔ مَیں اور رانی دونوں ابّا جان کے پاس گئے ۔ رانی بولی " ابّا جان ہمیں سَیر کرا لائیے نا ! "

ابّا جان نے پُوچھا ۔ " کہاں چلو گے ؟ "

مَیں نے جواب دیا ۔ " چڑیا گھر ۔ "

رانی نے کہا ۔ " اُوں ہُوں ! چڑیا گھر تو ہم کئی بار جا چُکے ہیں ۔ آج تو ہم دَریا کی سَیر کریں گے ۔ "

ابّا جان نے کہا ۔ " ہاں ٹھیک ہے ۔ امّی سے کہو تیاّری کر لیں ۔ "

تھوڑی دیر میں سب تیاّر ہو گئے ۔ امّی نے کچھ انڈے اُبال لیے ۔ ابّا جان مونگ پھلی ، چلغوزے اور مالٹے لے آئے ۔

دریا ہمارے گھر سے ذرا دُور ہے ۔ اس لیے ہم نے ٹیکسی کرائے پر لے لی ۔ تھوڑی دیر میں ہم دریا پر پُہنچ گئے ۔

دریا پر ہمیں ایک ملّاح مِلا ۔ اُس نے پُوچھا ۔

" صاحب ! کشتی لو گے ؟ " ابّا جان بولے ۔ " ہاں ۔ بابا جی ! کتنے پیسے لو گے ؟ " ملّاح بولا ۔ صاحب ! بچّوں کو سَیر کرا دُوں گا جو آپ کا

جی چاہے دے دیجیے گا۔"

بابا ہمیں اپنی کشتی کے پاس لے گیا۔ اُس نے کشتی کا رسّا پکڑا اور ہمیں کہا۔ "بیٹھیے!"

ابّا جان نے پہلے مجھے سَوار کرایا، پھر رانی کو۔ اس کے بعد امّی کی مدد کی۔ سب سے آخر میں خُود بیٹھے۔

بابا نے چپّو پکڑ لیے اور دونوں ہاتھوں سے چپّو مارتا ہُوا کشتی کو گہرے پانی میں لے آیا۔

بابا زور زور سے چپّو مارتا۔ پانی کشتی سے ٹکرا کر پیچھے ہٹ جاتا اور کشتی آگے بڑھ جاتی۔

ملّاح بابا کشتی بھی چلاتا جاتا اور باتیں بھی کرتا جاتا تھا۔ اُس

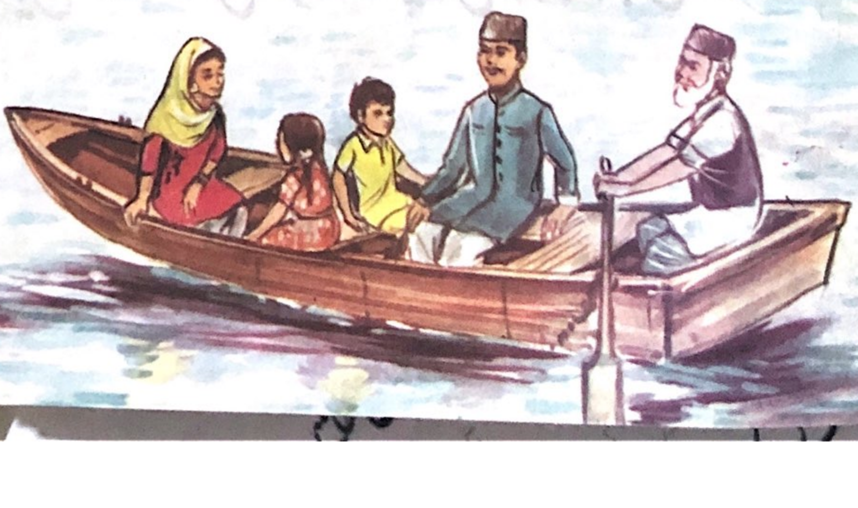

نے اپنی زِندگی کی بہُت سی باتیں سُنائیں۔ اُس نے ہمیں دریا کے متعلّق بھی بہُت دِلچسپ باتیں بتائیں۔

دریا کے دونوں طرَف ہرے بھرے کھیت تھے۔ ذرا فاصلے پر اُونچے اُونچے پیڑ بھی تھے۔ کشتی تیز چلتی تو یُوں لگتا جیسے کھیت اور پیڑ پیچھے کو دَوڑ رہے ہوں۔

بابا چپّو مارتا رہا، کشتی چلتی رہی اور ہم خُوب مزے سے سَیر کرتے رہے۔ آخر ابّا بولے ”بابا کشتی کو واپس لے چلو۔ کافی سَیر ہو چُکی۔“ بابا نے کشتی موڑ لی۔ اُسے جلد ہی کنارے پر لے آیا۔ ہم کشتی سے نیچے اُترے۔

ابّا جان نے بابا کو دس روپے دیے۔ اُس نے خُوش ہو کر سلام کیا۔ ہم نے بھی بابا کو سلام کیا۔ دِن ڈھلنے کو تھا۔ ہم نے وہیں سے ٹیکسی کرائے پر لی اور واپس گھر آ گئے۔